© rasailojaraid.com

مولانا عبد السلام کیلانی ۔ فاضل مدینہ یونیورسٹی

قربانی

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ و الصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المصطفیٰ، اما بعد،

زیر نظر مضمون میں راقم الحروف نے قربانی کے بارے میں بحثوں کو حتی الوسع بالاستیعاب ذکر کرنے کی کوشش کی ہے، ماسوائے چند فروعی مسائل کے —— عجز بشری اور قلت مائیگی کے اعتراف کے باوجود ارادہ یہی ہے کہ قربانی سے متعلقہ تمام مسائل پر اجمالاً روشنی ڈال دی جائے۔ کیونکہ "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" کے تحت کچھ کرنا ہی نہ کرنے سے بہتر ہے۔

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

(اخوکم عبد السلام کیلانی)

قربانی کا فلسفہ قربانی کے بارے میں جس قدر فلسفے بھی بیان کیے جائیں ان میں سے سب سے زیادہ قیمتی اور جاندار فلسفہ ذیل کی حدیث رسول میں مذکور ہے۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ اَرْقَمَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہِ الْاَضَاحِیُّ" قَالَ "سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلَامُ" قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ قَالُوْا "فَالصُّوْفُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ۔ (رواہ احمد وابن ماجۃ)

لہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالیہ "ومن اصوافہا واوبارہا واشعارہا اثاثا ومتاعا الی حین" (النحل) ترجمہ: اور بالوں بھیڑوں کے اور بالوں اونٹوں کے اور بالوں بکریوں کے سے اسباب اور فائدہ ہے ایک مدت تک" صوف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کی "یا رسول اللہ! یہ قربانیاں کیا چیز ہیں"؟ ارشاد فرمایا "یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت ہے"۔ انہوں نے استفسار کیا، ہمیں کیا ملے گا اے اللہ کے رسول"؟ جواباً ارشاد فرمایا "ہر بال (بکریوں کے) کے بدلے ایک نیکی"! گذارش کی گئی "تو اونی جانوروں (دنبے اور مینڈھے وغیرہ) کے بارے میں کیا حکم ہے"؟ ارشاد ہوا۔ "ان کی اون کے ہر بال (ریشے) کے بدلے میں ایک نیکی ہے"!

اس حدیث شریف میں فلسفۂ قربانی کو آپؐ نے جن الفاظ میں اجاگر فرمایا ہے۔ ان پر فرداً فرداً بحث کی جاتی ہے۔

"سُنَّةُ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ"

"کہ یہ تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے"!

یہاں چند چیزیں غور طلب ہیں۔

پہلی سنت[2] یعنی ایسا طریقہ جو کہ قابل اتباع ہو۔

عربی زبان میں دنبوں اور بھیڑوں کی پشم کو کہتے ہیں۔ "وبرُ" لغتِ عربی میں اونٹوں کے بالوں کے لیے مخصوص ہے اور "اشعار" "شعر" کی جمع ہے جو بکریوں کے بالوں کے لیے مستعمل ہے۔ "وبر" کی جمع "اوبار" اور صوف کی جمع "اصواف" ہے قرآن مجید نے عربی زبان کی وسعت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ہر ایک کے لیے ایک ایک لفظ استعمال کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب "شعرہ" کا لفظ استعمال فرمایا تو صحابہ کرام نے سمجھا کہ اصناف لغت کے لحاظ سے آپؐ کا یہ فرمان بکریوں کے لیے مخصوص ہے اس لیے انہوں نے صوف کے بارے میں مستقل استفسار کیا لیکن جب آپ نے اس موقعہ پر بھی "شعرۃ" کا لفظ استعمال فرمایا تو معلوم ہوگیا کہ "اوبار" (یعنی اونٹوں کے بالوں) کے بارے میں بھی آپؐ کی مراد ہے از شعرۃ، لفظ عام خواہ بکریوں کا ہو۔ دنبوں اور بھیڑوں کا ہو خواہ اونٹوں کا ہو۔ اسی وجہ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے "اوبار" کے متعلق سوال نہیں کیا۔ علیٰ ہذا القیاس گایوں کے بارے میں بھی سوال کی ضرورت نہیں تھی۔ کیونکہ جامع جواب ایک ہی تھا جو ہر ایک کو شامل تھا۔ واللہ اعلم۔

[2] عربی زبان میں اس کا مادہ "س۔ن۔ن" ہے محاورے میں بناء مجہول سے اس کا استعمال یوں ہے۔ "سُنَّ الشَّيْئُ" کسی مخصوص چیز کو قالب میں ڈھال دیا گیا۔ یعنی جو چیز ڈھالی گئی، وہ مسنون کہلاتی ہے۔ نیز "سُنَّ الشَّيْئُ" سے مراد اس میں بدبو آنا بھی مراد لیا جاتا ہے۔ "سَنَّ الْوَجْهَ يَسُنُّهُ سَنًّا" صورہ وصقلہ "چہرے کی شکل بنائی اور اسے چمکایا"۔ تو وہ چہرہ مسنون ہے۔ یہ تمام معانی قرآن مجید کے اس فرمان سے مراد لیے گئے ہیں۔ "ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حمأ مسنون" الحجر۔ ۲۶، ۲۸، ۳۳)۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسری غور طلب چیز۔ لفظ "اَبِیْکُمْ" ہے۔

اطلاقِ اول ہیں "اَبْ" سے مراد وہ باپ ہے جو سب سے قریبی ہو۔ لیکن کبھی کبھی سیاق و سباق کے لحاظ سے اس سے مراد دادا ۔ وغیرہ بھی لیا جاتا ہے قرآن مجید نے ان دونوں اطلاقات کو روا رکھا ہے چنانچہ اطلاقِ اول میں ملاحظہ ہو :

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ" نہیں ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم لوگوں میں سے کسی ایک مرد کے باپ ۔"

یعنی زید بن محمد" کہنے والوں کو منع کیا جا رہا ہے کہ تم زید اور اس کے علاوہ بھی کسی بالغ مرد کو "بن محمد" نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہاں "اُبُوّت حقیقی" مراد ہے۔ یعنی کسی کے بھی حقیقی باپ نہیں ہیں۔

اطلاقِ دوم میں ملاحظہ ہو۔

"يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا ...... الآية"

"اے اولادِ آدم ہرگز تمہیں شیطان فتنے میں نہ ڈالے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکال دیا تھا کہ ان کے لباس اتار نے شروع کر دیئے تھے"

یہاں سیاق و سباق نے واضح کر دیا کہ ماں باپ سے مراد آدم اور حوّا ہیں جو کہ سب سے پہلے ماں اور باپ ہیں یعنی بنی نوع انسان کے والدین ہیں۔

لفظ "ابراھیم"

اَبِیْکُمْ سے بدل ہے گویا اس باپ سے مراد[1] ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ نہ قریبی باپ اور نہ ہی آدم علیہ السلام، بلکہ ابراہیم علیہ السلام مقصود ہیں۔

(حاشیہ بقیہ صفو) گویا انسانی خمیر بدبودار کیچڑ سے تیار ہوا ہے یا قالب والے کیچڑ سے انسان کو پیدا کیا ہے یا کیچڑ سے چہرے کی شکل بنا کر جھکا کر انسانی خلقت تیار ہوئی ہے۔ اَلسِّنُّ ۔ دانت، کما فی قولہٖ تعالیٰ "والسن بالسن" (المائدہ، آیت ۴۵)

اَلسُّنَّۃ : الطریقہ و الخطّہ المتبعۃ :" طریقہ اور ایسا نشانِ راہ جس کی پیروی کی جا رہی ہو۔

ج : السنن، فرمانِ الٰہی ہے ، "سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُلِنَا" " خدائی نظام" بھی مراد لیا جاتا ہے جیسے اس آیت کا بقیہ ملاحظہ ہو "وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا" "ہمارے نظام میں آپ کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے" (الاسراء : ۷۷)

[1] اسی طرح ایک دفعہ قصہ اسمٰعیل و ابراہیم علیہما السلام (باقی آگے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنۃ ابیکم ابراھیمؑ

کے بارے میں ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کون سی سنت ہے۔ سنتِ ابراہیمی سے مراد یہاں ذبح کرنے کا واقعہ ہے جو کہ پہلے اپنے بیٹے سے متعلق تھا۔ لیکن جب وقتِ ذبح آیا تو بیٹے کی جگہ دنبہ ذبح ہو گیا اور بیٹے کو بچا لیا گیا۔

قرآن مجید میں سورہ "صٰفّٰت" میں اس واقعہ کا منظر خود کلامِ الٰہی سے ملاحظہ فرمائیں، تو مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ذیل میں پہلے ان آیات کا ذکر کرتے ہیں پھر ان کا ترجمہ لکھیں گے:

"وَقَالَ إِنِّي ذَاهِبٌ إِلَىٰ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۝ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ۝ وَنٰدَيْنٰهُ أَنْ يّٰإِبْرٰهِيمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِينُ ۝ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰى إِبْرٰهِيمَ ۝ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَبَشَّرْنٰهُ بِإِسْحٰقَ نَبِيًّا مِنَ الصّٰلِحِينَ ۝

"حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں جانے والا ہوں اپنے رب کی طرف (بغرض ہجرت) وہ مجھے عنقریب راہ دکھلائے گا۔ اے میرے پروردگار مجھے نیک اولاد دے۔ تو ہم نے اسے حوصلہ مند لڑکا دیا۔ پس جب یہ لڑکا دوڑنے کے قابل ہوا۔ کہا اے میرے بیٹے! میں خواب میں تجھے ذبح کرتا ہوا دیکھتا ہوں۔ بتا تیری رائے کیا ہے؟ کہا بیٹے نے اے میرے باپ کر جو تجھے حکم ملا۔ ان شاء اللہ تو مجھے صبر

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب حضرت ہاجرہؑ کا صفا و مروہ کے درمیان چکر ختم کرنے اور زمزم مل جانے کا ذکر فرمایا۔ وہاں اخیر میں کہہ دیا۔ "فتلک امکم یا بنی ماء السماء" "اے آسمانی پانی کے بیٹو! یہ تمہاری ماں ہاجرہ ہیں" عرب کھیتی باڑی اور پینے پلانے کے لیے رحمتِ باراں کے ہر وقت محتاج رہتے تھے۔ اس لیے انہیں "آسمانی پانی کے بیٹو" کہہ کر ان کی ماں ہاجرہ کا ذکر کیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے والوں میں پائے گا۔ پھر جب باپ بیٹا دونوں فرمانبردار ہو گئے اور (باپ نے) اسے (بیٹے کو) پیشانی کے بل لٹا دیا۔ تو ہم نے آواز دی اے ابراہیم! تحقیق تو نے خواب سچا کر دکھایا۔ ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں۔ یہ تو بہت بڑی آزمائش ہے۔ اور ہم نے ایک بہت بڑے ذبیحہ کا فدیہ دے کر اسے[لہ] (ذبح ہونے سے) بچا لیا۔ اور چھوڑا ہم نے اوپر اس کے (یعنی ذکر خیر کے) پچھلوں میں۔ سلام ہو ابراہیمؑ پر۔ اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ اور ہم نے بشارت دی اسحٰقؑ کی کہ وہ صالح پیغمبر ہو گا۔"

لہ۔ سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ ذبح ہونے والے اسمٰعیلؑ تھے۔ کیونکہ اگر اسحاق علیہ السلام کو مانا جائے تو ذکر اسحاق میں تکرار لازم آئیگا۔ حالانکہ عطف میں اصل مغایرت ہے تکرار نہیں ہوتا۔

دوسرے "غلام حلیم" ایسا وصف ہے جس کی توضیح خود اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے اس جملے سے کر دی "یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین"۔ "اے باپ جو آپ کو حکم ملا ہے وہ کیجیے۔ ان شاء اللہ عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے"۔ اور حضرت اسحاقؑ کے بارے میں جو وصف مذکور ہے وہ "بشرناہ بغلام علیم" ہے کہ "ہم نے علم والے لڑکے کی خوش خبری دی" (سورہ ذاریات)

تیسرے حضرت اسحاقؑ کی خوشخبری جس روز ملی۔ اسی روز ان کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کی بھی خوش خبری مل گئی تھی۔ چنانچہ سورۂ ہود میں ہے۔

"وَامْرَاَتُہٗ قَائِمَۃٌ فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَاءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ"

اور ان کی بی بی سارہؑ کھڑی تھی وہ ہنس دی تو ہم نے اس کو خوش خبری دی اسحاقؑ (اس کا بیٹا پیدا ہونے) کی اور اسحاقؑ کے بعد (اسحاقؑ کا بیٹا) یعقوبؑ پیدا ہونے کی؟

تو کیا یہ ممکن ہے کہ آج حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کے بچے یعقوبؑ کے تولد کی خبر ہو اور کل کو بچپن میں ہی اسحاقؑ کو نوجوان ہونے سے پہلے ہی چھری کے نیچے رکھنے کا حکم مل جائے۔ تو تین باتوں میں سے ایک بات ہونا ضروری ہے۔

۱۔ یا تو دعویٰ کریں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بچپن کی یہ بشارت بھول گئی تھی جو بظاہر ممکن نہیں کیونکہ پیغمبر اتنی دیر تک نہیں بھولتے جب تک کہ اس میں خاص حکمت نہ ہو اور ان کی بھول کو واضح کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ آنیوالی امتوں کیلئے بطور سبق پیش کیا جائے۔

۲۔ پہلی بشارت کو غلط قرار دیا جائے۔ والعیاذ باللہ۔ یہ پہلے سے بھی ناممکن ہے۔

۳۔ یا امتحان کو ہی وہ ہنسی مذاق سمجھتے ہوں یہ بھی ناممکن ہے کیونکہ انہوں نے اور ان کے لخت جگر نے (باقی آگے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قَالُوْا فَمَا لَنَا فِيْهِمَا يَا رَسُوْلَ اللهِ

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو عبادات میں بھی اپنے صلہ کا انتظار رکھنا چاہیئے اگر صلہ معلوم نہ ہو سکے تو پوچھنا چاہیئے۔ کیونکہ اس سے اطمینان قلب اور شوق عبادات میں بتدریج اضافہ ہوتا جائے گا۔

شبہ ۔ بعض صوفیاء نے یہ بحث چھیڑی ہے کہ جنت کی طلب ایک کمزور طلب ہے ہمیں خدا کی رضا کا طلب گار ہونا چاہیے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ!

"طالب الدنیا مؤنث، طالب الجنۃ مخنث ، طالب اللہ مذکر"۔ گویا ان کے نزدیک جنت کا سوال کرنا ہی خلافِ آدابِ صوفیاء ہے۔ اور غایۂ طلب خداوندی کو بتایا گیا ہے اور طلبِ خداوندی سے مراد اس کی رضا ہے۔ تو گویا رضاءِ الٰہی مانگنا ان کے نزدیک ہی مردانگی ہے دنیا کی طلب تو خیر کسی کے نزدیک بھی قابل ستائش نہیں ہو سکتی جب تک کہ طلبِ جنت اس کے ساتھ مربوط نہ ہو۔

جو ذبح ہو رہے تھے، دونوں نے خواب کے اس فعل کو امر الٰہی تصور کیا اور جب امر الٰہی کا تصور ہو جائے تو کبھی مذاق نہیں سمجھا جاتا۔ جب یہ تینوں ناممکن ہیں تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ذبح ہونے والے اسمٰعیل علیہ السلام ہی تھے نہ کہ اسحاق علیہ السلام۔ جب کہ پہلی دو دلیلیں بھی اسی کے حق میں جا رہی ہیں۔

چوتھے اس بارہ میں توراۃ کتاب پیدائش عربی ایڈیشن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"اذبح ابنك الوحيد"

"اپنا اکیلا بیٹا ذبح کر دو" یعنی اکلوتا بیٹا۔ اور اکلوتا اتنی دیر تک نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ یہ یقین نہ ہو جائے کہ کوئی اور بیٹا پاس نہیں تھا۔

جب اسحاق علیہ السلام مراد لیے جائیں تو حضرت اسماعیل السلام جو ان سے چودہ برس بڑے ہیں تو وہ نفی کرتے ہیں کہ حضرت اسحاق علیہ السلام بوقتِ امرِ ذبح اکلوتے بیٹے نہیں تھے۔ ہاں اگر اسمٰعیل علیہ السلام مراد لیے جائیں تو چودہ برس سے قبل کسی بھی عمر کے موقع پر حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کا امر ملے گا تو یہی کہا جائے گا کہ اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرو۔ کیونکہ اس وقت ان کے علاوہ کوئی اور اکلوتا بیٹا نہیں تھا۔

پانچویں دلیل یہ ہے کہ یہ واقعہ ذبح مکہ مکرمہ کے آس پاس پیش آیا تھا اور فدیہ میں جو دنبہ ذبح ہوا تھا اس کے سینگ اسلام سے قبل مدت تک خانہ کعبہ کے ساتھ آویزاں رہے تھے اور حضرت اسحاق علیہ السلام کا مکہ مکرمہ میں بخصوصاً چھوٹی عمر میں آنا ثابت نہیں ہے۔ واللہ اعلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں :

"فمن الناس من یقول ربنا آتنا فی الدنیا وما لہ فی الاٰخرۃ من خلاق ومنھم من یقول ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اولئک لھم نصیب مما کسبوا"

کہ جو یہ کہے کہ خدایا مجھے دنیا دے تو اس کو آخرت میں کچھ نہیں ملے گا۔ اور جو یہ کہے کہ خدایا مجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے اور آگ کے عذاب سے بچا لے۔ تو ان کا حصہ اپنی کمائی کا ہے۔۔۔ الآیات

لیکن یہ دعویٰ کرنے والے کہ "جنت کا طلب گار مخنث ہے" وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ رضائے الٰہی اور جنت کا حصول لازم ملزوم ہیں۔ اتنی دیر تک جنت نہیں مل سکے گی جب تک خداوند تعالیٰ راضی نہیں ہو گا۔ کیونکہ کسی شخص کا عمل اسے جنت میں لے جانے کے لیے کافی نہیں ہے جب تک کہ خدا کی رحمت شاملِ حال نہ ہو۔ اور خدا کی رحمت اس کی رضا سے ہی حاصل ہو سکے گی اور جب تک خدا راضی نہیں ہو گا اسے نہ خدا ہی مل سکے گا اور نہ ہی جنت مل سکے گی۔ اور اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ رضائے الٰہی مل جائے اور جنت نہ ملے۔ رضائے الٰہی اور جنت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ وہ حدیث اس کی مزید تشریح کرے گی جس میں ایک آدمی کا ذکر ہے جو سب سے آخر میں دوزخ سے نکلے گا اور سب سے آخر میں جنت میں جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے مختلف وعدے لیں گے لیکن وہ وعدہ دینے کے باوجود اس پر قائم نہیں رہ سکے گا۔ یعنی پہلے وہ دوزخ سے نکلنے کا مطالبہ کرے گا پھر دوزخ سے منہ پھیر دینے کا مطالبہ، پھر دوزخ سے دور کیے جانے کا، پھر جنت کے دروازے تک پہنچ جانے کا، پھر جنت کے اندر داخل ہونے کا۔ اللہ تعالیٰ ہر طلب پر اس سے وعدے لیں گے اگر یہ تمہاری آرزو پوری ہو جائے تو اور تو نہیں مانگے گا۔ وہ قسمیں کھا کر یہ کہے گا کہ ہاں الٰہی میں اور طلب نہیں کروں گا لیکن آخری بار جب جنت میں جانے کا بھی سوال کر دے گا تو اللہ تعالیٰ مسکرا دیں گے اور اسے جنت میں داخل کر دیں گے۔ علاوہ ازیں کئی گنا اپنے فضل سے مزید اسے نوازیں گے۔

گویا ادنیٰ جنتی اور آخری دوزخی بھی (جو دوزخ سے نکل جائے گا) اتنی دیر تک جنت میں نہیں جا سکے گا۔ جب تک خدا راضی نہ ہو جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگا کرتے تھے :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اللّٰھم انی اسئلک رضاک والجنۃ وما قرب الیھا من قول او عمل وانی اعوذبک من سخطک والنار وما قرب الیھا من قول او عمل"

"خدایا میں تجھ سے تیری رضا اور جنت کا مطالبہ کرتا ہوں اور جو چیز جنت کے قریب کرنے والی ہو، خواہ کوئی کلام ہو یا عمل۔ اسی طرح میں تیرے غصے اور دوزخ سے پناہ میں آتا ہوں اور جو چیزیں اس کے نزدیک کر دیتی ہیں قول ہو یا عمل"!

ایک اور حدیث کے مطابق۔

جنت دوزخ دونوں کا مقابلہ ہوا جنت کہتی کہ میں اچھی اور دوزخ کہتی کہ میں اچھی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو مخاطب فرمایا "کہ تو ان کے لیے ہے جن پر میں راضی ہوتا ہوں۔ اور دوزخ کو کہ تو ان کے لیے بطور سزا ہے جن پر مجھے ناراضگی ہو گی۔

تو مسئلہ قربانی میں بھی ہمیں اسی سبق کی تعلیم دی گئی ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو بوقت ذبح پڑھایا تھا اور ان کے توسط سے تمام آنے والی نسلوں کو یہ سبق دیا گیا۔ اور یہ سبق کبھی بھی منسوخ نہیں ہوا۔

بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ

ہر بال کے بدلے نیکی

ہو سکتا ہے کہ یہاں نیکی کی کثرت مراد ہو۔ جیسے کہ جانوروں کے بالوں کو گننا محال ہے اس طرح قربانی کا اجر بے شمار ہو گا۔ لیکن ظاہر حدیث بھی مراد ہو سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا کہ اگرچہ آپ گن نہ سکیں گے۔ تاہم وہ علاّم الغیوب ان تمام بالوں کے مطابق نیکیاں نازل فرما دے گا جو کہ مذبوحہ کے جسم پر موجود ہیں۔ واللہ اعلم

الغرض اس حدیث سے قربانی کا فلسفہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرنا مقصود ہے۔

سوال: عام طور پر یہاں اس مقام پر اور ایسی ہی دوسری حدیثوں پر اصول الفقہ میں ایک بحث کی جاتی ہے کہ انبیائے سابقین کی شریعت کیا ہمارے لیے حجت ہے یا نہیں؟

پہلی شریعتوں میں جو احکام نازل ہوئے، اگر ہم بعینہٖ ان کو قبول کر لیں تو کیا ہمارے لیے جائز ہے؟

جواب: اگر ہم مطلق جائز قرار دیں تو بھی درست نہیں۔ کیونکہ اس طرح دو بہنوں کا نکاح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک وقت میں ہمیں جائز قرار دینا ہوگا۔ جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے گھر میں حضرت عیص کی دو بیٹیاں نکاح میں تھیں (ملاحظہ ہو کتاب "پیدائش تورات")، اسی طرح سجدہ تعظیمی کو بھی جائز قرار دینا ہوگا۔ جیسا کہ حضرت یعقوبؑ، ان کی بیوی اور ان کے گیارہ بیٹوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا۔ قرآن مجید میں ہے۔

"وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا"

"وہ اس کے لیے سجدہ میں گر گئے" اور اگر ہم مطلق ناجائز قرار دیں تو بھی درست نہیں۔ کیونکہ اگر مطلقاً منع ہو تو کئی آیات اور کئی احادیث میں پہلے نبیوں کی شریعت کو بطور حجت پیش کیا گیا ہے۔ خصوصاً مسئلہ توحید کی وضاحت میں ہر نبی کے واقعات کو ہمارے لیے حجت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ تو صحیح جواب یہ ہے کہ:

"شرع من قبلنا شرع لنا مالم یرد فیہ نسخ"

"پہلے لوگوں کی شرع ہمارے لیے بھی شریعت ہے جب تک کہ اس میں نسخ وارد نہ ہوگا"

سوال: عام طور پر یہاں یہ سوال بھی اٹھایا جاتا ہے کہ قربانی کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ جانور ذبح کرنے کی بجائے قربانی کی رقم کسی غریب، مسکین، یتیم، فقیر، مدرسہ، یا خدمت خلق کے اداروں میں جمع کرادی جائے۔ کیا ضروری ہے قربانی ہی ہو؟

جواب: اس سوال کا جواب معلوم کرنے سے پہلے بنیادی طور پر یہ اصول ہمیں سامنے رکھنا چاہیے کہ:

"لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ میں ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے"

اس ضرورت کا جس قدر احساس رحمۃ للعالمین کو ہو سکتا ہے اتنا کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جس قدر ضرورت اس دور غربت میں پیش آئی اس قدر ضرورت کبھی بھی مسلمانوں کو پیش نہیں ہوئی۔ خود کئی کئی ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تو پھر کیا وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ضرورت کو نظر انداز فرمایا؟ صحابہ کرام کی ضرورت کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ شہدائے بدر، شہدائے احد، شہدائے خندق کے وارثوں، یتیم بچوں، بیواؤں کو نہیں دیا؟ بلکہ ان قربانیوں کو ہمیشہ حضور خداوندی میں پیش کرتے رہے اور مدنی دس برس تک اس پر باقاعدہ عمل ہوتا رہا۔ کسی سال میں تنگی و ترشی مانع نہیں ہوئی کہ قربانی سے گریز کریں (رواہ الترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل قربانی کرنا سنتِ ابراہیمی ہے۔ جو کہ بیٹے کے ذبح کے لیے تیار ہو جانے کی یادگار ہے۔ اگر خدانخواستہ حضرت اسمٰعیل ذبح ہو جاتے تو تمام دنیا کے مذاہب میں بچوں کو ذبح کرنے کا حکم مل جاتا ۔۔ لیکن خداوندِ قدوس نے اپنی رحمتِ خاص سے اپنی مخلوق کو اس آزمائش میں نہیں ڈالا بلکہ حکم دیا کہ فدیہ کسی جانور کا دے دو۔ اور اگر جانور کی بجائے مال نقدی ہو جاتا تو (۱) کب وہ سنت یاد تی ؟ (۲) کتنے لوگ وہ رقم صحیح جگہ خرچ کرتے ؟ (۳) کتنے غریب لوگ اس رقم سے اپنا پیٹ پال سکتے ؟ جب کہ گوشت کے وجود سے ہی ان کے استحقاقات کی سب کو خبر بھی ہو جاتی ہے۔ اور سب اپنے ہاتھوں اپنا حق مانگ کر لیجاتے ہیں اور کبھی سال میں ایسا دن بھی چاہیے جب کہ غریب آدمی بھی سیر ہو کر گوشت کھائے۔ اگر اسے پیسے مل گئے تو وہ ضرورت کا لحاظ کرتا ہوا کھانے پینے کی بجائے اس رقم کو کسی دوسری مد میں خرچ کر دے گا۔ لیکن گوشت کچا ہے کر وہ ایسا نہیں کر سکتا بلکہ خود کھائے گا اور بچوں کو بھی کھلائے گا۔ اور گوشت انسانی زندگی کے لیے ایک نہایت ضروری جزو ہے اور طاقت اور وٹامن کی کثرت جس قدر گوشت میں ہے کسی اور چیز میں کم ہے۔ مزید برآں اس سے دل کی قوت اور جرأت میں اضافہ پیدا ہوتا ہے۔ جو کہ مسلمانوں کے لیے کم از کم نہایت ضروری ہے۔ نیز اگر قربانی کی رقم کا مسئلہ جائز قرار دیا جائے تو ان عیدین کے بارے میں جو ارشاد نبوی ہے۔ کہ

"أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ"

"یہ کھانے پینے کے دن ہیں" اس پر کم از کم عمل ہونے سے رہا۔

فلسفۂ قربانی کا بنیادی مقصد!

سوال: جب یہ معلوم ہو چکا کہ یہ سنتِ ابراہیمی ہے اور اس سنت کو زندہ رکھنا چاہیے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سنت کو زندہ رکھنے سے کیا فائدہ ہے؟

جواب: انبیاءؑ کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے سے انسان دنیاوی ہلاکتوں سے بچ جاتا ہے اور اخروی پریشانیوں سے نجات پا جاتا ہے مزید برآں اس سے دین و دنیا کی فلاح و بہبود میسر ہوتی ہے قرآن مجید میں ہے:

"وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ"

"اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی اور خدا سے ڈرے اور پرہیزگاری اختیار کرے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں" (النور)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گویا کامیابی کا دارومدار اطاعت اللہ ورسول میں ہے اس سورت کے آخر میں ارشاد ہے:

"فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان یصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم"

"چاہیے کہ ڈر جائیں وہ لوگ جو کہ اس امر کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ فتنے میں مبتلا ہو جائیں یا عذاب الیم ان کا مقدر بن جائے۔"

گویا اسوۂ رسول کو قائم رکھنا اس میں دین و دنیا کی کامیابی ہے اور اس سے گریز دین و دنیا کے مصائب اور فتنے میں مبتلا ہونے کا باعث ہوگا۔ والعیاذ باللہ

اور جس حکمت میں دین و دنیا کی کامیابی بھی ہو اور دونوں جہانوں کے فتنوں سے حفاظت کی بھی ضمانت ہو وہ کس قدر عظیم اور بابرکت ہوگی تو گویا اس سے دونوں جہانوں کی سرخروئی مقصود ہے۔

اور اگر واقعی مقصود ہو تو معلوم ہونا چاہیے کہ قلبی تقویٰ کے بغیر یہ گوہر مقصود حاصل نہیں ہوگا۔ نربانی قربانیاں اور اوپری چھریاں، یہ بھی خدا کو معلوم ہیں اور دل کی گہرائیوں سے محبت الٰہی میں سرشار ہو کر اپنے مال پر چھری چلا دینا یہ وہ تقویٰ ہے جس کا ہابیل نے قابیل کو سبق دیا تھا۔

"واتل علیھم نبأ ابنی اٰدم بالحق اذ قربا قربانا فتقبل من احدھما ولم یتقبل من الاٰخر قال لاقتلنک قال انما یتقبل اللہ من المتقین"

"اور پڑھ تو ان پر آدمؑ کے دو بیٹوں کا سچا قصہ، جب دونوں نے قربانی کی، ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے کی قبول نہیں ہوئی تو کہنے لگا کہ میں تمہیں قتل کر دوں گا تو جواب دیا ہابیل نے قابیل کو کہ اللہ تعالیٰ متقین سے قبول کرتا ہے۔" یعنی تقویٰ شرط ہے۔

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

"لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا ولکن ینالہ التقویٰ منکم"

"کبھی خدا کو ان کا گوشت اور ان کے خون نہیں پہنچیں گے لیکن تمہاری طرف سے تقویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچے گا۔"

تو معلوم ہوا، قربانی کا فلسفہ سنتِ ابراہیمی کو قائم رکھنا ہے۔ اور سنت ابراہیمی کے احیاء کا اصل مقصد تبھی حاصل ہوگا جب تقویٰ پایا جائے گا۔ واللہ اعلم۔ وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد وعلی اٰلہ وصحبہ وسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳) قربانی کا لغوی مفہوم

ا۔ قَرَبَ الشیئی یقربہ قربانا = دنامنہ اوفعلہ، یعنی باب (فتح یفتح)

قرآن مجید میں ہے۔

"وکلا منہا رغداً حیث شئتما ولا تقربا ھٰذہ الشجرۃ" (البقرۃ ۳۵)

"ای لا تدنوا منہا" یعنی اس کے قریب نہ جاؤ۔

"یا ایہا الذین امنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ"

"اے مومنو! بحالتِ سکر نماز کے قریب نہ جاؤ" (النساء آیت ۴۲)

ب۔ قَرَّبَ قُربانا = قدّمہ تقرباً الی اللہ

قرآن مجید میں ہے۔

"واتل علیہم نبا ابنی ادم بالحق اذ قربا قربانا" (المائدۃ)

"ای قدماہ تقربا الی اللہ" "خداوند تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے پیش کیا"

ج۔ قَرَّبَہٗ اِلَیۡہِ = "ادناہ منہ" "اسے اس کے قریب کیا"

یُقَالُ قَرَّبۡتُ فُلَانًا اِلَیَّ = "اَدۡنَیۡتُہٗ مِنِّیۡ" "اسے میں نے اپنے نزدیک کر لیا۔"

قرآن مجید میں ہے۔

"وناديناہ من جانب الطور الایمن وقربناہ نجیا" (مریم ۵۲)

"ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے آواز دی اور اسے قریب کیا سرگوشی کرتے ہوئے۔"

ایک دوسری آیت میں ہے۔

"وما اموالکم ولا اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی"

"تمہارے مال و دولت اور تمہاری اولادیں وہ ایسی نہیں جو تمہیں ہمارے نزدیک کر دیں"

د۔ اقترب الامر :- "دنا دنوا شدید محققا"

"بہت زیادہ یقینی طور پر قریب ہوا"

ھ۔ ویقال: "اقترب العبد الی ربہ": "تقرب الیہ وسعی فی رضاہ بالعمل الصالح"

"اس کا قرب حاصل کیا اور اس کی رضا ڈھونڈنے کی عمل صالح کے ساتھ کوشش کی" پہلے مفہوم میں قرآن مجید میں ہے۔

"وان عسیٰ ان یکون قد اقترب اجلہم" (الاعراف ۹)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"قریب ہے کہ ان کا حساب یقینی طور پر نہایت ہی نزدیک آچکا ہے" دوسرے مفہوم میں بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"کلا لا تطعہ واسجد واقترب"

"ہرگز نہیں اس کی تابعداری نہ کر اور سجدہ کر اور عمل صالح کے ذریعے اس کی رضا ڈھونڈ اور قرب حاصل کر"۔

ق۔ اَلْقُرْبَۃُ:۔ "ما یتقرب بہ الی اللہ من عبادۃ او عمل خیر (جمع قربات"

سورہ توبہ آیت ۹۹ میں ہے۔

"الا انھا قُرْبَۃٌ لھم" "خبردار رہو یہ ان کا عمل صالح ہے جو انہیں خدا کے قریب لے جاتا ہے"۔ اسی جگہ اسے جمع بھی استعمال کیا گیا ہے۔

"ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ"

"جو وہ خرچ کرتا ہے اسے خدا کے نزدیک قرب حاصل کرنے کے لیے شمار کرتا ہے"

ز۔ باب "کرم یکرم" سے

"قَرُبَ الشیئُ" "قریب ہوئی"۔ فا۔ قریب فی المکان والزمان اوذو قرابۃ فی النسب" اس کی فاعلی حالت "قَرِیْبٌ" آئے گی۔ خواہ یہ قرب زمانی ہو یا مکانی ہو نیز نسبی طور پر قرابت دار کو بھی قریب کہیں گے۔ قرآن مجید میں ہے۔

"واذا سألک عبادی عنی فانی قریبٌ" "اور جب میرے بندے میرے متعلق تجھ سے سوال کریں تو میں قریب ہوں (یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ میں قریب ہوں)"

قرب زمانی کے لیے ملاحظہ ہو۔

"الا ان نصر اللہ قریب" (البقرہ)

"خبردار، اللہ تعالیٰ کی امداد قریب ہے"۔ قرب مکانی کے لیے:

"وَاُخذوا من مکان قریب" (سبا ۵۱)

"یہ مکان قریب سے پکڑے جاویں گے"۔

"واستمع یوم ینادِ المناد من مکان قریب" (ق) "غور سے سن! جس دن منادی قریب ہی سے بلائے گا"۔ اسم مونث کی خبر بھی اسی وزن میں وارد ہے۔

"ان رحمت اللہ قریب من المحسنین" "خدا کی رحمت نیکوں کے قریب ہے"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"اقتربت الساعة قریب" "شاید کہ قیامت قریب ہو"

ج ۔ یعنی رشتہ دار النبی، سورۃ شوریٰ میں ہے۔

"قل لا اسألکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ"

"کہہ دو میں کوئی مزدوری نہیں مانگتا مگر قرابت داروں میں محبت پیدا ہو جانے کا طالب ہے"

ط ۔ المقربون، المقرب، "من یحظی بمنزلة رفیعة عند اللّٰه" (جمع، المقربون) کا "جو خداوند تعالیٰ کے ہاں بلند مرتبہ حاصل کرے" قرآن مجید میں ہے۔

"لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للّٰه ولا الملائکة المقربون" (النساء)

"کبھی مسیح اس بات سے انکار نہیں کرے گا کہ وہ اللہ کا غلام ہو۔ اسی طرح مقرب فرشتے بھی اس بات سے کبھی انکار نہیں کریں گے"

"وجیها فی الدنیا والآخرة ومن المقربین"

"دنیا و آخرت میں عزت والا اور مقرب لوگوں سے"

ی ۔ القربان :- "الذبیحة ونحوها یتقرب بها الی اللّٰه"

"مذبوح وغیرہ جن سے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے"۔ اس معنیٰ میں قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

"ان اللّٰه عهد الینا الا نؤمن لرسول حتی یاتینا بقربان تاکله النار"

"خداوند تعالیٰ نے ہم سے وعدہ کر لیا کہ اتنی دیر تک کسی پیغمبر کو قبول نہ کریں جب تک کہ قربانی ایسی نہ لائے جسے آگ کھاتی ہو" (آل عمران آیت ۱۸۳)

قربانی کا شرعی مفہوم

لغوی مفہوم میں اس کی تفصیل کے بعد اب شرعی مفہوم کی طرف توجہ فرمائیں۔ شرعی مفہوم میں بھی لغوی مفہوم کا اثر موجود ہوتا ہے۔ قربانی میں چونکہ مندرجہ بالا لغوی تمام مفہوم بالخصوص مطلوب ہیں اس لیے خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے خوشی سے نیکی کرتے ہوئے جانور کے ذبح کرنے کو قربانی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قربانی کسی وقت بھی دی جا سکتی ہے۔ نذر کے طور پر بھی، اور اپنے شوق سے بھی لیکن اصطلاحی قربانی جو اس وقت ہمارے موضوع کی بنیاد ہے وہ ایام تشریق کی قربانی ہے۔

البتہ احادیث میں قربانی کے مفہوم کے لیے ایک اور لفظ "اُضحِیۃ"[1] معروف ہے

---

[1] اس کا ضبط یوں ہے: بضم الهمزة وکسرها وتشدید الیاء۔ قال النووی فی شرح المسلم "الاضحیة علی اربع لغات (باقی آگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مراد وہ جانور ہیں جو کہ ذبح کیے جاتے ہیں۔

قربانی کی اہمیت

اس کی مشروعیت میں امتِ مسلمہ کے علماء و فقہا کا اجماع ہے کتاب اللہ میں جس کی بنیاد مفسرین کے نزدیک خداوند تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔

"فصل لربك وانحر"

"کہ تو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی دے" (الکوثر)، یعنی عیدین کی نماز پڑھ اور قربانی دے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ سنت ہے یا کہ واجب؟

امام مالکؒ، شافعیؒ، احمدؒ، ابو یوسفؒ اور محمدؒ کے نزدیک یہ سنت مؤکدہ ہے۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مقیم شہریوں پر واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اپنی تمام مدتِ اقامت میں جو کہ دس برس پر محیط ہے، اس میں ہمیشہ قربانی کی۔ اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ "جس شخص نے عید سے پہلے ذبح کر دیا (اس کی مطلوبہ قربانی نہیں ہوتی)، اسے اس کی جگہ ایک اور ذبح کرنا چاہیے" اور اعادہ کا امر صرف واجب پر ہی ہو سکتا ہے۔[۱]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی آدمی نے سوال کیا کہ قربانیاں کیا واجب ہیں؟ تو جواباً ارشاد فرمایا کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور مسلمانوں نے قربانی کی ہے" اس نے دوبارہ یہی سوال اٹھایا تو کہہ یہی ارشاد فرمایا۔ "کیا تو سمجھ سکتا ہے کہ رسول خدا نے بھی قربانی دی اور دوسرے مسلمانوں نے بھی قربانی دی"[۲]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص استطاعت کے باوجود قربانی نہ دے وہ ہمارے جائے نماز کے قریب نہ آئے۔ ابن ماجہ نے اسے مرفوعاً یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے ارشادات میں

وهي اسم للمذبوح يوم النحر (۱) أُضْحِيَة (۲) إِضْحِيَة۔ دونوں کی جمع أَضَاحِي ہے (۳) ضَحِيَّة جمع ضحايا (۴) إضحاة بفتح الهمزه (جمع) أضحى کا رطاة اور ارطى وبها سمي يوم الأضحى۔

[۱] ملاحظہ ہو حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح ج ۱، ص ۱۲۶، بحوالہ المرقاۃ ملا علی قاری۔ [۲] رواه الترمذي وحسنه كذا في سنن الترمذي [۳] بحوالہ اعذب الموارد في تخريج جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۳۶۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرض، واجب اور سنت وغیرہ کی تقسیم میں قدرت اختیار کرنا اور اس شرعی احکام میں ضعف پیدا کرنا ہے اگر کوئی سنت کا شیدائی ہو تو اسے یہ تقسیم کبھی پسند نہ ہو گی۔ واللہ اعلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شمار کیا ہے۔ امام احمد اور حاکم بھی اسے مرفوع ہی شمار کرتے تھے البتہ دوسرے ائمہ نے اسے حضرت ابوہریرہؓ کا قول شمار کیا ہے۔ البتہ سند کے راوی ثقہ ہیں۔ اگر یہ حضرت ابوہریرہؓ کا قول بھی ہو تو بھی اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص بھی استطاعت کے باوجود قربانی سے گریزاں ہے اور وجوب و سنت کی تقسیم سے فائدہ اٹھا کر معافی چاہتا ہے وہ دراصل سنتِ ابراہیمی کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتا ہے اور یہ اس کے ایمان میں خلل کا سبب بن سکتا ہے ایسے آدمی کو عید کی نماز پڑھنے سے روک دیا جائے تاکہ وہ دوسروں کے لیے عبرت بن سکے۔ اور خود بھی اپنا مقام پہچان لے کہ مسلمانوں کی حقیقی خوشی میں وہ شریک نہیں ہو سکتا واللہ اعلم

مطلوبہ قربانی کے اوصاف

قربانی کے اوصاف معلوم کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کے ایجابی اور سلبی دونوں پہلو معلوم ہو سکیں۔ ایجابی سے مراد یہ ہوگا کہ قربانی ایسی ہونی چاہیے اور سلبی سے مراد یہ ہے کہ قربانی ایسی نہیں ہونی چاہیے۔ چونکہ قربانی کے سلبی پہلو اپنی کثرت کے باوجود شمار کیے جا سکتے ہیں۔ اور ایجابی پہلو لاتعداد یا کثیر التعداد ہوں گے اس لیے اگر سلبی پہلو معلوم ہو جائیں تو ایجابی پہلو بھی فوراً سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ اس لیے ہم سلبی پہلوؤں میں ان کے عیوب پہلے ذکر کریں گے۔ واللہ الموفق

کان کا عیب

"امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نستشرف العین والاذن وان لا نضحی بمقابلة ولا مدابرة ولا شرقاء ولا خرقاء" (احمد، ترمذی ابوداؤد، نسائی، دارمی، امام ترمذی اسے صحیح کہتے ہیں ابوداؤد اور منذری نے کوئی جرح نہیں کی، نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۲۴)

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ ہم کان اور آنکھ کو غور سے دیکھ لیں۔ یہ کہ ہم ایسے جانور کی قربانی نہ کریں جس کا کان سامنے سے کٹا ہو یا پیچھے سے کٹا ہو۔ یا چیرا ہوا ہو یا سوراخ والا کان ہو۔"

تو کان کا کوئی عیب جو کہ واضح طور پر بدنمائی پیدا کر رہا ہو قربانی میں نقص پیدا کر دے گا۔ ہاں اگر غیر نمایاں اور معمولی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ ابوالولید کہتے ہیں۔

"انما نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن المصفرة ...... الحديث"[1]

اور "مصفرة" کی تشریح میں مجمع البحار ج ۲ میں لکھا ہے:

[1] رواہ احمد والبخاری فی تاریخہ والحاکم وسکت عنہ ابوداؤد والمنذری کذا فی النیل ۵/۱۲۴۔ بحوالہ اعذب الموارد فی تخریج جمع الفوائد۔ ج ۱۔ ص ۵۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"والمصفرة قیل ای المستاصلة الاذن لان صماخیھا صفر عن الاذن ای خلوا"
کہ "مصفرہ" سے مراد جڑ سے کاٹی ہوئی ہے۔ کیونکہ اس کے کانوں کی نچلی جگہ کانوں سے صفر (خالی) ہوتی ہے" واللہ اعلم

ان دونوں حدیثوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کان کا نمایاں عیب تو قربانی میں نقص ڈالے گا۔ لیکن معمولی عیب ہو تو کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

آنکھ کا عیب

"عن البراء بن عازب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ماذا یتقی من الضحایا فاشار بیدہ فقال اربعا ......
الی ان قال العوراء البین عورھا" - الحدیث[1]

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کون سی قربانیوں سے پرہیز کی جائے تو آپ نے چار چیزیں شمار فرمائیں۔ اور منجملہ ان چار چیزوں کے یہ بھی فرمایا۔ کہ بھینگی جس کی آنکھ کا عیب ظاہر ہو" واللہ اعلم

سینگ کا عیب

ابو الولید کی مذکورہ حدیث میں جہاں کان کا عیب ذکر ہوا ہے وہاں "المستاصلة" بھی مذکور ہے جس کی تفسیر انہوں نے "التی استوصل قرنھا من اصلہ" کہ "جس کا سینگ جڑ سے کٹ گیا ہو" کی ہے۔

"عن علی رضی اللہ عنہ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نضحی باعضب القرن والاذن" (ابن ماجہ)
"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ ہم اندر سے ٹوٹے ہوئے سینگ یا چرے ہوئے کان والی کی قربانی کریں"

ٹانگ کا عیب

براء بن عازبؓ کی مذکورہ بالا حدیث جو کہ آنکھ کے بیان میں گزر چکی ہے اس میں ایک لفظ یہ بھی تھا "والعرجاء البین عرجھا" "لنگڑی جس کا لنگ نمایاں ہو" کہ یہ نمایاں عیب بھی قربانی میں نقص ڈال دے گا۔ گویا معمولی لنگ جو چلتے وقت پورا ظاہر نہ ہوتا ہو اس کی قربانی کرنے میں

---

[1] مالک، احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی، اور امام مالک کا مرفوعاً روایت کرنا اس کی صحت کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی حرج نہیں۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں "کسراء" بھی مذکور ہے یعنی جس کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہو۔ [۱]

مرض اور کمزوری کا عیب

اسی مذکورہ بالا حدیث میں، جو حضرت براء بن عازب سے مروی ہے، دو لفظ اور بھی وارد ہیں۔

"وَالْمَرِيضَةُ الْبَيِّنُ مَرَضُهَا وَالْعَجْفَاءُ الَّتِي لَا تُنْقِي"

"مریض جس کی مرض بالکل نمایاں ہو اور کمزور جس کی ہڈیوں میں مخ دکھائی نہ دے" ایک روایت میں "والمشیعۃ" بھی ممانعت میں داخل ہے۔

مشیعہ سے مراد ایسی قربانی لی گئی ہے جو کہ اپنے گلہ کے ساتھ کمزوری اور لاغری کی وجہ سے چل نہ سکے۔ گویا اگر وہ گلہ کا ساتھ دے سکے تو وہ کمزوری زیادہ نقصان دہ نہیں۔

پس معلوم ہوا کہ عیوب میں کان، آنکھ، سینگ اور ٹانگ کے نمایاں عیوب کے علاوہ شدتِ امراض اور سخت کمزوری بھی داخل ہیں۔ تو گویا اس کے علاوہ اگر کوئی اور عیب پایا جائے تو وہ قربانی میں نقص نہیں ڈالے گا۔

ایسے عیوب جو کہ اثر انداز نہیں ہوتے

مندرجہ ذیل حدیث میں ایسے عیب کی طرف اشارہ ہے جو کہ اثر انداز نہیں ہے۔

"(يَزِيدُ ذُو مِصْر) أَتَيْتُ عُتْبَةَ بْنَ عَبْدٍ السُّلَمِيَّ فَقُلْتُ لَهُ يَا أَبَا الْوَلِيدِ إِنِّي خَرَجْتُ أَلْتَمِسُ الضَّحَايَا فَلَمْ أَجِدْ شَيْئًا يُعْجِبُنِي غَيْرَ ثَرْمَاءَ فَكَرِهْتُهَا فَمَا تَقُولُ؟ قَالَ أَفَلَا جِئْتَنِي بِهَا؟ قُلْتُ سُبْحَانَ اللَّهِ تَجُوزُ عَنْكَ وَلَا تَجُوزُ عَنِّي قَالَ نَعَمْ إِنَّكَ تَشُكُّ وَلَا أَشُكُّ إِنَّمَا نَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُصْفَرَّةِ ...... الحديث" [۲]

ترجمہ: "یزید ذو مصر کا کہنا ہے کہ میں عتبہ بن عبد سلمی کے پاس آیا اور کہا اے ابو الولید! عتبہ

[۱] ابوداؤد کی یہ روایت پہلے بھی ابو الولید کی روایت سے گزر چکی ہے جسے امام احمد اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ذکر کیا ہے، ابوداؤد اور منذری نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا نیل الاوطار ۵/۱۲۴ بحوالہ اعذب الموارد فی تخریج جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۸۔

[۲] یہ حدیث بھی گزر چکی ہے اسے ابوداؤد کے علاوہ احمد و بخاری نے "فی تاریخہ" روایت کیا ہے۔ ابوداؤد اور منذری نے سکوت فرمایا ہے۔ نیل الاوطار سے یہ کلام عبداللہ ہاشم مدنی نے ذکر کیا ہے "اعذب الموارد فی تخریج جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۸"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی کنیت ہے، میں قربانی کے جانور تلاش کرنے نکلا تھا لیکن مجھے کوئی پسندیدہ چیز نہیں ملی، سوائے ایک قربانی کے جانور کے جس کے دونوں دانت ٹوٹے ہوئے ہیں تو مجھے تو پسند نہیں آئی تمہارا کیا خیال ہے۔ تو جواباً کہا" (اگر یہ بات تھی) تو میرے لیے کیوں نہیں لے آیا"؟ انہوں نے ازراہ تعجب سوال کیا" سبحان اللہ! میرے لیے تو جائز نہیں تھی تو تمہارے لیے کیسے جائز ہو گئی؟" انہوں نے کہا" ہاں یہ درست ہے۔ کیونکہ تجھے اس کے جائز ہونے میں شک ہونے لگا اور مجھے چونکہ اس کے جواز میں کوئی شک نہیں اس لیے میرے لیے جائز ہے۔ کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کان کاٹے ہوئے ...... وغیرہ وغیرہ سے منع فرمایا ہے"۔

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دانتوں کا ٹوٹا ہونا اثرانداز عیب نہیں ہے۔ واللہ اعلم!

ایک دوسری حدیث کے مطابق

"حضرت ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ ہم نے قربانی کے لیے دنبہ خریدا تو ایک بھیڑیئے نے اس کے پچھلے حصے پر حملہ کر دیا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہم نے سوال کیا تو آپ نے ہمیں قربانی کا حکم دیدیا" اسی حدیث کی ایک اور روایت کے مطابق یہ سوال ہوا کہ" ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بکری کا سوال کیا جس کی دم کٹ گئی تھی لیکن وہ قربانی میں دینا چاہتا تھا" تو فرمایا" قربانی دے لو"

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دنبے اگر دنبے کی چکی یا بکری کی دم کٹ جائے تو قربانی ہو جائے گی۔ اگر حدیث ضعیف نہ ہوتی تو مسئلہ بالکل اٹل تھا لیکن مشکل یہ ہے کہ یہ حدیث دو طریق سے وارد ہونے کے باوجود سخت ضعیف[1] ہے۔

---

[1] پہلے طریق سے جابر جعفی اور محمد بن قرظہ ہیں۔ اول الذکر کو تو استاد کی بددعا لگ گئی تو وہ موضوع روایات بنا بنا کر ثقات کے نام سے منسوب کرنے لگا، اس کی تمام روایات ساقط الاعتبار ہو گئیں۔ دوسرے کے بارے میں ایک جگہ حافظ ابن حجرؒ "غیر معروف" اور دوسری جگہ "مجہول" کہتے ہیں۔ بعض لوگ اگرچہ یہ کہتے ہیں کہ ابن حبان نے اس کو ثقہ کہا ہے۔ لیکن ابن حبان کی توثیق دو طرح کی ہے ایک تو تحقیقی توثیق اور دوسری توثیق یہ ہے کہ اس کا ضعف معلوم نہیں اور "ظن المومنین بانفسہم خیرا" کے ماتحت ہر مجہول العین اور مجہول الحال کی توثیق کر دیا کرتے ہیں اس لیے ابن حبان کی توثیق اس وقت قابل قبول ہوتی ہے جب کہ دوسرے محدثین اس پر جرح نہ کریں۔

تیسرا عیب اس طریق میں یہ ہے کہ محمد بن قرظہ کا ابی سعید سے سماع ثابت نہیں ہے۔ گویا تدلیس کا بھی شبہ ہے۔

دوسرے طریق میں سند کچھ اس طرح ہے "حماد بن سلمہ عن الحجاج بن ارطاۃ عن عطیہ عن ابی سعید" الحجاج بن ارطاۃ

(باقی آگے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اوصافِ ایجابی

اوصاف ایجابی سے مراد قربانی کے مثبت اوصاف ہیں ۔

مذکورہ بالا بحث سے پوری طرح معلوم ہو گیا کہ جس قربانی کی آنکھ، کان، سینگ اور ٹانگ درست ہوں یا معمولی بھی (غیر نمایاں) عیب ہو وہ قابل قبول ہے ۔ بشرطیکہ وہ کمزور اور بیمار نہ ہو ۔ کمزوری بھی ایسی جو اسے ریوڑ کے ساتھ چلنے میں مانع ہو ۔

باقی ان اوصاف میں پھر درجات ہوں گے جتنی قربانی اچھی ہو گی خوب صورت موٹی تازی اور ہر لحاظ سے بے عیب ہو گی اتنی ہی زیادہ اچھی ہو گی ۔ بشرطیکہ وہ فخر و ریاء کے نظریے سے ذبح نہ کی جائے ہاں اگر فخر و مباہات کی وجہ سے اور لوگوں میں اپنی شہرت حاصل کرنے کے لیے قربانی کھلائے گی ۔ (العیاذ باللہ) تو ایسی قربانی قبول نہیں ہو گی ۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ !

"انما یتقبل اللہ من المتقین"

مسنون اور افضل قربانی

"عن ابی امامۃ رفعہ (قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) خیر الاضحیۃ الکبش وخیر الکفن الحلۃ" للترمذی[1]

ترجمہ : "بہترین قربانی مینڈھا (چھترا) ہے اور بہترین کفن ایک رنگ کی دو چادریں ہیں (جسے جوڑا یا حلہ کہا جا سکتا ہے)"

حدیث اگر متکلم فیہ نہ ہوتی تو اس سے بڑھ کر کوئی اور مناسب حدیث نہیں تھی ۔ اسی معنیٰ میں ترمذی میں ہی ایک اور ضعیف حدیث بھی مروی ہے ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ۔

ضعیف ہے کیونکہ اس کے بارے میں بعض شدانہ باتیں بھی مروی ہیں ۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کے بارے میں کثیر الخطأ ہو اور تدلیس کا عیب ذکر کیا ہے ۔ پہلے بحث گذر چکی ہے کہ ایسی قربانی جس کا عیب نمایاں نہ ہو کوئی حرج نہیں ۔ تو جو عیوب خواہ آنکھ، کان سینگ اور ٹانگ کے ہوں لیکن نمایاں نہ ہو بلکہ معمولی ہوں وہ قربانی میں رکاوٹ نہیں ڈالتے ۔

[1] رواہ ایضاً ابن ماجۃ وقال الترمذی غریب وفیہ عفیر یضعف فی الحدیث کما اخرجہ (ایضاً) ابو داؤد وابن ماجۃ والحاکم عن عبادۃ بن الصامت وقال صحیح واقرہ الذہبی فی التلخیص ولکنہ فی المہذب قال فیہ ابو حاتم بن ابی نصر مجہول کذا فی ۲/۲۶۹ بحوالہ اعذاب المورد ج ۱ ص ۵۲۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"نعم او نعمت الأضحية الجذع من الضأن"[1]

"بہترین قربانی جوان طاقتور مینڈھا ہے" حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر بکبش اقرن یطأ فی سواد ویبرك فی سواد وینظر فی سواد فاتی بہ لیضحی بہ" ...... الحدیث

(لابی داؤد، مسلم بلفظہ)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایسے سینگوں والے مینڈھے کے بارے میں ارشاد فرمایا جو سیاہی میں چلتا، سیاہی میں بیٹھتا، اور سیاہی میں دیکھتا تھا آپؐ کے پاس لایا گیا تاکہ اسے قربان فرمائیں" سیاہی میں چلنے سے مراد اس کے ٹانگوں کا سیاہ ہوتا ہے۔ سیاہی میں بیٹھنے سے مراد اس کے نچلے حصے کا سیاہ ہونا ہے۔ اور سیاہی میں دیکھنے سے مراد اس کی آنکھوں کا سیاہ ہونا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ چھوٹی قربانی میں یہ اوصاف سنون اور افضل ہیں۔ اگر کوئی ایسا جانور ذبح کرے گا تو اس کی قربانی افضل قرار دی جائے گی بشرطیکہ مالِ حلال اور دل کی خوشی سے صرف خدا کی رضامندی حاصل کرنے کے لیے کی جائے۔ والتوفیق بید اللہ!

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

"(عن جابر رضی اللہ عنہ) ذبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین فلما وجھھما قال انی وجھت..... الحدیث"[2] (اللفظ لابی داؤد)

ترجمہ:۔ "ذبح کیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے روز دو مینڈھے سینگوں والے خصی شدہ اور ان کی سفیدی ان کی سیاہی سے زیادہ تھی جب ان کو قبلہ رخ کیا تو فرمایا۔

"انی وجھت...... الحدیث"۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو۔

"(ابو سعید) کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یضحی بکبش اقرن فحیل ینظر فی سواد ویأکل فی سواد ویمشی فی سواد" (رواہ الترمذی وابن داؤد)[3]

---

[1] رواہ احمد ایضاً وقال الترمذی غریب وقد روی مرفوعاً وذکرہ ابن حجر فی التلخیص ولم یزد علی ھذا کذا فی النیل ۵/۱۲۲۔ قال فی اعذب الموارد تخریج جمع الفوائد ج ۱ ص ۵۲۰ [2] رواہ ایضاً ابن ماجۃ وفی اسنادہ محمد بن اسحاق وھو مدلس ۴/۱۰۱ [3] رواہ ایضاً احمد وصححہ ابن حبان وھو علی شرط مسلم قال مؤلف الاقتراح (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ: "تھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کرتے ایک مینڈھے کی جو سینگوں والا فحل تھا اس سے مراد وہ مینڈھا ہے جو نسل کشی کے لیے رکھا جاتا ہے، جس کی آنکھیں سیاہ، منہ سیاہ اور پاؤں سیاہ تھے۔" یہ حدیث قابل حجت ہے۔

مزید ملاحظہ فرمائیں

"النعمان بن ابی فاطمۃ انہ اشتریٰ کبشا اقرن اعین وان النبی صلی اللہ علیہ وسلم راٰہ فقال کان ھذا الکبش ذبح ابراھیم فعمد رجل من الانصار فاشتریٰ للنبی صلی اللہ علیہ وسلم من ھذہ الصفۃ فاخذہٗ صلی اللہ علیہ وسلم فضحی بہ للکبیر" [۱]

"نعمان بن ابی فاطمہ نے ایک مینڈھا خریدا جو سینگوں والا اور موٹی موٹی آنکھوں والا تھا نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے دیکھا تو فرمایا "گویا کہ یہ مینڈھا وہ ہے جسے ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کیا تھا" یہ سن کر ایک انصاری اٹھا تو اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ایسا ہی ایک مینڈھا خرید لیا تو آپؐ نے اسے لے کر قربانی دیا"

حدیث قابل حجت ہے کیونکہ راوی ثقہ ہیں۔

ان احادیث میں مسنون قربانی، جو کہ افضل بھی ہے، کا پتہ چلتا ہے۔ اگر حج کے موقعہ کو بھی نظر میں رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام حج میں سو اونٹوں اور چند گائیوں کی بھی قربانی دی ہے آگے حدیثیں آئیں گی انشاء اللہ۔ تو معلوم ہوا ہے کہ بڑی قربانی چھوٹی قربانی سے افضل ہے امام نووی کے مطابق جمہور کا مسئلہ یہ ہے کہ سب سے افضل اونٹ پھر گائے پھر دنبہ یا بھیڑ وغیرہ پھر بکری۔ امام مالکؒ کے نزدیک بکری عمدہ گوشت کی وجہ سے افضل ہے۔ لیکن افضلیت کا دارومدار موٹاپے اور عمدگی پر ہے۔ تو جس قدر قربانی "تسر الناظرین" ہوگی وہ افضل ہوگی یعنی دیکھنے سے طبیعت خوش کرنے والی

کذا فی النیل ۵/۱۲۷ وفی تحفۃ الاحوذی ۱۰۱/۲ رواہ ایضاً النسائی وابن ماجۃ وقال الترمذی حسن صحیح غریب لا نعرفہ من حدیث حفص بن غیاث۔ انتھٰی مافی اعذب الموارد قلت فی التقریب حفص بن غیاث رجلان احدھما ابن طلق بن معاویۃ النخعی ابوعمر الکوفی القاضی ثقۃ فقیہ تغیر حفظہ قلیلا فی الآخر من الثامنۃ والثانی شیخ میمون بن مھران مجھول من الثامنۃ والحدیث عند الترمذی لیس فیہ میمون بن مھران فھو الاول فالحدیث اذا قابل للاحتجاج واللہ اعلم

[۲] ورجالہ ثقات کذا فی مجمع الزوائد ۵/۲۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قربانی ہو تو افضل ہے۔ اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ بکری یا دنبہ چونکہ ایک آدمی کی طرف سے ہوتا ہے، اگر گائے یا اونٹ بھی ایک ایک آدمی سے ہو تو وہ بہر صورت افضل ہو گا۔ واللہ اعلم

جانوروں کے حصص:۔ اونٹ اور گائے

(ابن عباس رضی اللہ عنہما)

"کنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر فحضر الاضحیٰ فاشترکنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ" (للترمذی والنسائی)[1]

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے کہ قربانی کے دن آ گئے تو ہم ایک گائے میں سات اور ایک اونٹ میں دس آدمی شریک ہوئے"

(جابر رضی اللہ عنہ) نحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائہ فی حجہ بقرۃ" وفی روایۃ نحر عن عائشۃ بقرۃ یوم النحر" لمسلم

"حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں اپنی عورتوں کی طرف سے ایک گائے ذبح کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے قربانی کے روز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے ایک گائے ذبح کی"[2]

ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اکیلی گائے کی نذر مانی ہو اور انہوں نے کہیں اپنے ذریعے سے اس کی قیمت ادا کر دی ہو۔ یا پہلی روایت میں "بقرۃ بقرۃ" ہو کہ ہر عورت کی طرف سے ایک گائے ذبح کی۔ اس طرح حضرت عائشہ سے بھی ایک گائے ذبح ہو سکتی ہے۔ جیسے دوسری ازواج سے کی۔ اور یہ توجیہ زیادہ بہتر ہے۔

"عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عام الحدیبیۃ البدنۃ عن سبعۃ والبقرۃ عن سبعۃ" (مسلم ج ۱ ص ۴۲۴)

"حدیبیہ کے سال ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف

---

[1] رواہ ایضاً ابن ماجۃ واحمد وحسنہ الترمذی کذا فی النیل ۵/۱۰۲۔ [2] دراصل روایت مسلم ج ۱ ص ۴۲۴ یوں ہے "حدثنی محمد بن حاتم حدثنا محمد بن بکر اخبرنا ابن جریج ح وحدثنی سعید بن یحییٰ الاموی حدثنا ابی حدثنا ابن جریج اخبرنی ابو الزبیر انہ سمع جابرؓ بن عبد اللہ یقول نحر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن نسائہ وفی حدیث ابی بکر عن عائشۃ بقرۃ فی حجتہ" تو اس سے معلوم ہوا کہ صاحب جمع الفوائد کے اختصار میں تسامح ہے۔ روایت کے ان الفاظ میں بالکل کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی"

ایک اور روایت ملاحظہ ہو۔

"عن جابر قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم مهلين بالحج فامرنا ان نشترك في الابل والبقر كل سبعة منا في بدنة"

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ہم نکلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حج کی تلبیہ کہنے والے، تو آپ نے ہمیں حکم دیا کہ اونٹ اور گائیوں میں شریک ہو جائیں ہم میں سے ہر سات آدمی ایک قربانی میں"

ان احادیث کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ صرف اونٹ اور گائے میں شراکت ہو سکتی ہے امام شافعی اور ابو حنیفہ دونوں کے نزدیک اونٹ اور گائے میں شراکت ہو سکتی ہے اگرچہ بعض کے ہاں یہ تفصیل پائی جاتی ہے کہ اگر کسی پر واجب قربانی ہو تو ان کے ساتھ نافلہ قربانی والا شریک نہیں ہو سکتا لیکن بالجملہ شراکت میں اتفاق ہے اور اس پر بھی علمائے امت کا اجماع ہے کہ مینڈھے اور بکری میں بھی ایک ہی قربانی شمار کی جائے گی۔ ہاں ایک عائلہ (چھوٹا خاندان) زیادہ سے زیادہ اس کے ثواب میں شریک ہو سکے گا، باقی بقول ابن رشد اس پر بھی اجماع علمائے امت ہے کہ گائے ہو یا اونٹ حصے اس میں سات ہی ہوں گے۔ کیونکہ کسی مجتہد سے اونٹ میں دس کے بارے میں روایت منقول نہیں۔ چنانچہ اس کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"واجمعوا انه لا يجوز ان يشترك في النسك اكثر من سبعة وان كان قد روي من حديث رافع بن خديج ومن طريق ابن عباس وغيره والبدنة عن عشرة"

وقال الطحاوي "واجماعهم على انه لا يجوز ان يشترك في النسك اكثر من سبعة دليل على ان الآثار في ذلك غير صحيحة"

کہ اس بات پر اجماع ہے کہ بڑی قربانی میں سات سے زیادہ حصہ دار نہیں ہیں۔ اگرچہ رافع بن خدیج اور ابن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے اونٹ میں دس حصوں کا ذکر آتا ہے۔ امام طحاوی کا کہنا ہے علمائے امت کا اجماع ہے کہ بڑی قربانی میں سات سے زیادہ حصہ دار نہیں ہیں، یہ دلیل ہے کہ اس بارے میں جو روایات منقول ہیں (کہ دس حصے ہو سکتے ہیں) وہ ضعیف ہیں۔

بہر حال اگر کسی زمانہ میں اجماع اس مسئلہ میں ثابت ہو چکا ہے کہ اونٹ میں بھی سات حصوں سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیادہ جائز نہیں تو پھر تو واقعی امام طحاویؒ کی بات صحیح ہے لیکن اگر اجماع سکوتی ہو یا اجماع غیر یقینی[1] ہو تو اونٹ کے بارے میں روایات بھی کم از کم قابل احتجاج تو ضرور ہیں۔ ہاں اگر احتیاط کرے تو سات ہی رکھے کیونکہ مسلم کی روایات میں اونٹ اور گائے دونوں میں سات سات شریکوں کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم

جانوروں کی عمریں۔

"عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تذبحوا الا مسنۃ الا ان یعسر علیکم فتذبحوا جذعۃ من الضان" رواہ مسلم

"حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دوندا (یعنی جس کے دو دانت اگ چکے ہوں) ہی ذبح کرو الا یہ کہ تمہیں نہ ملے تو اس صورت میں بھیڑوں میں جوان طاقتور ذبح کر لو"

ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ "بدایۃ المجتہد" میں فرماتے ہیں۔

"اجمعوا علی انہ یجوز الجذع من المعز بل الثنی فما فوقہ لقولہ علیہ الصلاۃ والسلام لابی بردۃ لما امرہ بالاعادۃ "یجزیک ولا یجزی جذع عن احد غیرک" واختلفوا فی الجذع من الضان فالجمہور علی جوازہ" الخ

"اجماع ہے کہ بکریوں میں سے نوجوان لیلا جائز نہیں جب تک کہ دو دانت نہ اگ آئیں کیونکہ ابوبردہؓ کو جب آپؐ نے دوبارہ قربانی کا ارشاد فرمایا اور اس کے پاس دو دانت والا بکرا نہیں تھا تو فرمایا کہ لیلا ہی ذبح کر لو لیکن تیرے بعد کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ وہ لیلا ذبح کرے۔ البتہ بھیڑ کے نوجوان بچھوڑے کے متعلق اختلاف ہے۔ جمہورؒ تو جائز قرار دیتے ہیں لیکن چند علماء نے اس میں ممانعت بھی کی ہے

---

[1] حاشیہ مشکوٰۃ کے مطابق محدث دہلویؒ نے ذکر کیا ہے کہ بعض علماء نے اس پر عمل کیا ہے لیکن جمہور کا مسلک اس کے خلاف ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اجماع غیر یقینی ہے۔ واللہ اعلم

[2] امام نووی رحمۃ اللہ علیہ "لا تذبحوا الا مسنۃ" کے ماتحت فرماتے ہیں۔

"قال العلماء المسنۃ ھی الثنیۃ من کل شیئ من الابل والبقر والغنم فما فوقہا وھذا تصریح بانہ لا یجوز الجذع من غیر الضان فی حال من الاحوال وھذا مجمع علیہ علی ما نقلہ القاضی عیاض ونقل العبدری وغیرہ من اصحابنا عن الاوزاعی انہ قال یجزی الجذع من الابل والبقر والمعز والغنم وحکی ھذا عن عطاء واما الجذع من الضان فمذھبنا ومذھب العلماء کافۃ انہ یجزی سواء وجد غیرہ ام لا وحکوا عن ابن عمر والزھری انہما قالا (باقی اگلے صفحہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کھیرا اور دنبہ یا مینڈھے کی عمر

مذکورہ بالا بحث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ دنبہ ہو یا مینڈھا سادہ کھیرا دیا جا سکتا ہے جب کہ وہ طاقت ور اور جوان ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی عمر کا کیا اندازہ ہے؟ بعض لوگ اسے ایک سال مکمل کا بتاتے ہیں، کچھ لوگ چھ ماہ کا بھی کہہ دیتے ہیں کچھ آٹھ ماہ اور کچھ دس ماہ کا شمار کر لیتے ہیں۔ لیکن جو چھ ماہ کہتے ہیں وہ شاید یہ توجیہ پیش کرتے ہیں کہ وہ جوان ماں باپ سے پیدا ہوا ہو ورنہ آٹھ ماہ کا جب کہ وہ بوڑھے ماں باپ کی اولاد ہو۔

لیکن اگر ہم اس عمر کے ساتھ اس کی قوت اور طاقت کے علاوہ اس کی جسمانی ساخت و موٹاپے کا بھی لحاظ کریں تو صرف عمر ہی اس کی تعیین کے لیے کافی نہیں بلکہ دوسرے اوصاف کا بھی خیال رکھنا پڑے گا۔ بلکہ وہ عمر سے زیادہ اہم ہیں۔ واللہ اعلم

جانوروں کی تعیین

کون کون سے جانور قربانی میں دیے جا سکتے ہیں؟ امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

"واجمع العلماء علی انہ لا تجزی الضحیۃ بغیر الابل والبقر والغنم الا ما حکاہ ابن المنذر عن الحسن بن صالح انہ یجوز التضحیۃ ببقرۃ الوحش عن سبعۃ وبالظبی عن واحد وبہ قال داؤد فی بقرۃ الوحش" واللہ اعلم!

لو یجزی وقد یحتج لھا بظاھر ھذا الحدیث۔

قال الجمھور ھذا الحدیث محمول علی الاستحباب والافضل وتقدیرہ یستحب لکم ان لا تذبحوا الا مسنۃ فان عجزتم فجذعۃ ضان ولیس فیہ تصریح بمنع جذعۃ الضان وانھا لا تجزی بحال وقد اجمعت الامۃ علی انہ لیس علی ظاھرہ لان الجمھور یجوزون الجذع من الضان مع وجود غیرہ وعدمہ وابن عمر والزھری یمنعانہ مع وجود غیرہ وعدمہ فتعین تاویل الحدیث علی ما ذکرنا من الاستحباب" واللہ اعلم!

خلاصہ اس کلام کا یہ ہے کہ "مسنہ" کی شرط اونٹ، گائے کے علاوہ بکریوں پر بھی لاگو ہے۔ قاضی عیاض کے مطابق اس پر اجماع امت ثابت ہو چکا ہے کہ اس سے کم عمر والا سوائے بھیڑوں کے کوئی اور جانور قربانی میں جائز نہیں ہو گا۔ حضرت جابرؓ کی مذکورہ حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر دوندا ملے تب ہی بھیڑوں اور دنبوں میں سے کھیرا جائز ہے ورنہ جائز نہیں لیکن امام نوویؒ نے مندرجہ بالا عبارت میں تصریح کی ہے کہ اس حدیث کا یہ مفہوم معتبر نہیں ہے کیونکہ اس ظاہری مفہوم پر امت بھر میں کسی کا بھی فتویٰ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے (باقی آگے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"علمائے امت کا اجماع ہے کہ قربانی، اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں کے علاوہ کسی اور چیز کی دینی جائز نہیں ہے۔ ہاں جو کہ ابن المنذر نے حسن بن صالح سے روایت کیا ہے کہ نیل گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور ہرن ایک آدمی کی طرف سے قربانی ہو سکتی ہے اور یہی قول داؤد نے نیل گائے کے بارے میں کہا ہے۔ واللہ اعلم!

تو اس سے معلوم ہوا کہ اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں کے علاوہ قربانی کسی اور جانور کی بھی جائز نہیں کیونکہ اگر صدر اول میں کوئی بات خلاف واقع بھی ہو اور بعد میں علمائے امت کا اجماع ثابت ہو جائے تو وہ اجماع حجت ہو گا کہ صدر اول کا اختلاف، یہ تو اختلاف کی آڑ میں اجماع کی مخالفت جائز نہیں ہو گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن علمائے متاخرین نے فضیلت جمعۃ المبارک سے مرغ اور انڈے وغیرہ کی قربانی کا جواز حاصل کیا ہے وہ عیدین کی قربانی کا مدعا پورا نہیں کرے گا۔ کیونکہ اگر عیدین کے لیے یہ قربانیاں جائز ہوتیں تو سب سے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نادار صحابہ رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرماتے جو کہ ایک بکری تک بھی خریدنے کی سکت نہیں رکھتے تھے۔ نیز چونکہ اجماعِ امت نے جانوروں کی تعیین بھی کر دی نیز مرغ اور انڈے کے بارے میں متقدمین میں سے کسی ایک کا عمل نہیں رہا کہ اس نے عیدین کے روز دوسرے جانوروں کو چھوڑ کر یا ان کے ساتھ یہ بھی قربانی میں پیش کیے ہوں۔ اگرچہ مفہوم حدیث زیر بحث کے لحاظ سے قربانی کا لفظ مرغ اور انڈے پر وارد ہے تاہم وہ قربانی عیدین کے علاوہ کسی دوسرے موقع پر بھی محمول ہو سکتی ہے اور واقعی اگر کوئی شخص اللہ کے لیے چھوٹی سی بھی قربانی پیش کرے خواہ وہ انڈے سے بھی کم درجے کی ہو تو وہ بھی قابل قبول ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

"فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ"

"جو بھی ذرہ بھر نیکی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا" واللہ اعلم!

علاوہ ازیں قرآن مجید میں، قربانی کے بیان میں "بھیمۃ الانعام" اور "البدن" مذکور ہے۔

کہ دو دند افضل اور مستحب ہے اگر نہ ملے تو بھیڑوں اور دنبوں سے کھیرا قربانی میں دیا جا سکتا ہے" واللہ اعلم

[1] معجم الفاظ القرآن الکریم کے مطابق:

"النعم فی اصل وضعها الابل سمیت بذلك لنعومة مشیها ولینه، او لانها عند العرب اجل النعم وقد یتوسع فی النعم فیقال للابل والبقر والغنم اذ ارید جماعة الاصناف الثلاثة فیقال، تجب الزکوٰۃ فی النعم ولا یقال للبقر وحدها ولا للغنم وحدها نعم، و جمع النعم نعمان وانعام فالانعام فی الاصل الابل ویقال للابل والبقر والغنم انعام علی التوسع"

باقی آگے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس سے مراد بے زبان چار پائے اور اونٹ وغیرہ ہیں۔

اہل لغت کے نزدیک مذکورہ بالا دونوں چیزیں (مرغ اور انڈا) بہیمۃ الانعام میں داخل نہیں ہیں کیونکہ انعام کے لیے چار ٹانگوں کا ہونا ضروری ہے جس کے "پر" نہ ہوں۔ لیکن جس کے پر بھی ہوں اور ٹانگیں بھی دو ہوں وہ پرندوں میں شامل ہے الایہ کہ وہ اونٹ جیسے پاؤں رکھتا ہو تو اس وقت بھی اسے شتر مرغ ہی کہیں گے یعنی ایک لحاظ سے شتر (اونٹ) دوسرے لحاظ سے مرغ (یعنی پرندہ) مگر شتر مرغ کے متعلق کسی کا بھی خیال نہیں کہ وہ قربانی میں دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے وہ خارج از بحث ہے۔ واللہ اعلم

ایام قربانی اور ان کی فضیلت

لغوی قربانی تو کسی وقت بھی اور کسی طرح بھی دی جاسکتی ہے لیکن اصطلاحی قربانی خاص ایام میں ہی دی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"لیشهدوا منافع لهم ویذکروا اسم الله في ایام معلومٰت علی ما رزقهم من بهیمة الانعام فکلوا منها واطعموا البآئس الفقیر"

ترجمہ:۔ "تاکہ وہ اپنے منافع کو حاضر ہوں اور جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو چوپائے دے رکھے ہیں ان پر معین ایام میں اللہ تعالیٰ کا نام لیں"۔

تو معلوم ہوا کہ حج کی قربانی کے لیے تو دن مقرر ہیں تو جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ کر قربانی کرنا چاہتا ہے، کیا اسے بھی ان ایامِ معلومہ (معین دنوں) کا حساب رکھنا پڑے گا یا کہ نہیں؟ اس کے بارے میں مندرجہ ذیل حدیث سے کچھ روشنی پڑتی ہے۔

" وورد النعم والانعام في الکتاب مرادا بها الابل والبقر والغنم " نعم اصل وضع میں اونٹوں کے لیے مستعمل ہے اونٹوں کا یہ نام یا تو چال میں نرمی اور ملائمت کی وجہ سے ہے یا اس لیے کہ عرب کے نزدیک یہ سب سے بڑی نعمت تھی۔ کبھی "نعم" کے معنی میں وسعت پیدا کرتے ہیں تو اونٹوں، گائیوں اور بکریوں تینوں کے ریوڑ جب شمار ہوں تو یہ لفظ سب پر مشترکہ بول لیتے ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ "نعم" میں زکوٰۃ واجب ہے گویا تینوں ریوڑوں پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اکیلی گائیوں پر "نعم" کا لفظ نہیں بولتے اور نہ ہی اکیلی بھیڑ بکریوں کو "نعم" کے مفہوم میں لاتے ہیں۔ نعم" کی جمع " نعمان " اور انعام ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انعام بنیادی طور پر اونٹوں کے لیے مستعمل ہے اور علی سبیل التوسع تینوں (اونٹ، گائے، بھیڑ، بکریاں) پر بھی بولا جاتا ہے کتاب اللہ میں "نعم" اور "انعام" دونوں لفظ مستعمل ہیں۔ جن سے اونٹ، گائیں اور بھیڑ، بکریاں تینوں مراد ہیں۔

واللہ اعلم!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۷ البراء: ضحی خال لی یقال لہ ابو بردۃ قبل الصلوٰۃ فقال لہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شاتك شاۃ لحم فقال یا رسول اللہ ان عندی داجنا جذعۃ من المعز قال اذبحہا ولا تصلح لغیرك ثم قال من ذبح قبل الصلاۃ فانما ذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلاۃ فقد تم نسکہ واصاب سنۃ المسلمین للستۃ الا مالکا وفی روایۃ خطبنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی یوم نحر فقال لایذبحن" الحدیث

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ "میرے ایک ماموں نے نماز سے پہلے قربانی دی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ تیری بکری، گوشت کی بکری شمار ہو گئی" گویا قربانی کے لیے نہیں شمار ہوئی۔ تو اس نے عرض کی۔ یا حضرت! میرے پاس ایک پالتو بکری بھی ہے جو کہ نوجوان ہے" آپؐ نے فرمایا" تو اس کو ذبح کر لیکن تیرے بغیر کسی اور کو اب کرنا جائز نہیں" پھر ارشاد فرمایا کہ "جو شخص نماز سے پہلے ذبح کرلے تو اس نے اپنے لیے ذبح کیا ہے اور جو شخص نماز کے بعد ذبح کرے تو اس کی قربانی مکمل ہو گئی اور اس نے مسلمانوں کی سنت پالی" ایک روایت کے مطابق آپؐ نے یہ خطبہ قربانی کے روز دیا اس حدیث کو صحاح ستہ نے ذکر کیا ہے۔ البتہ مؤطا امام مالکؒ نے اس کو ذکر نہیں کیا۔"

اب اس کے آخری وقت کے بارے میں جستجو مطلوب ہے۔ والتوفیق بید اللہ!

"وعنہ (ای عن نافع) ان ابن عمر رضی اللہ عنہما قال الاضحی یومان بعد یوم الاضحیٰ وبلغنی عن علی مثلہ"

کہ" قربانیاں قربانی کے دن کے بعد دو دن اور ہیں اس طرح کا ایک قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مجھے پہنچا ہے ۔"

لہ بعض علماء کے نزدیک ابن ماجہ کی بجائے مؤطا امام مالک صحاح ستہ میں شمار ہے۔ بعض مؤطا کی بجائے سنن دارمی کو اور بعض مسند احمد کو، اور بعض منتقی ابن الجارود کو صحاح ستہ میں شمار کرتے ہیں ھکذا سمعتہ من شیخنا الالبانی حفظہ اللہ!

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عید الاضحیٰ (یوم النحر) کو بعد از خطبہ عید الاضحیٰ قربانی کا وقت شروع ہو گا جب کہ حاجیوں کے لیے بھی اسی روز قربانی شروع ہو گی۔ لیکن چونکہ حاجی لوگ عید نہیں پڑھ سکتے اور نہ ہی پڑھتے ہیں اس لیے ان کے لیے عید کے بعد کی قید نہیں ہے۔ بلکہ منیٰ میں پہنچ جانے کے بعد جو کام ان کے ذمے ہیں، ان میں قربانی بھی ہے جو کہ اصل ترتیب میں "رمی" کے بعد ذبح اور ذبح کے بعد حلق ہے لیکن سہواً یا مجبوراً، تقدیم و تاخیر معاف ہے۔ واللہ اعلم!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ یہی قول مذکور امام مالکؒ نے اپنایا ہے۔ اسی قول کو امام ابوحنیفہؒ، احمدؒ اور علماء کی ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

جب کہ امام شافعیؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک قربانی چار روز تک ہو سکتی ہے ایک قربانی کا روز اور تین روز اس کے بعد بھی!

اسی طرح کچھ شاذ اقوال میں مزید افراط و تفریط بھی ہے کسی نے تو قربانی کو صرف پہلے دن تک محدود رکھا ہے اور ایک دوسرے نے آخری ذی الحجہ تک قربانی کو جائز قرار دیا ہے۔ ابن رشد نے اس قول اخیر کو تو شاذ کہہ دیا ہے کہ اس کی کوئی وقعت نہیں البتہ یہ ضرور کہا کہ یہ تمام اقوال اسلاف سے مروی ہیں۔

مزید اگر چوتھے دن کی قربانی ثابت ہو جائے تو ہمیں دوسروں کے اقوال سے تعرض کی ضرورت نہیں جامع الصغیر میں سیوطی علیہ الرحمۃ ذکر کرتے ہیں۔

"کل عرفات موقف وارفعوا عن عرنة وكل مزدلفة موقف وارفعوا عن بطن محسر وكل فجاج منى منحر وكل ايام التشريق ذبح" (رمز لاحمد والتصحیح)

"تمام عرفات میں وقوف ہونا جائز ہے البتہ وادی عرفہ سے دور رہو۔ مزدلفہ میں وقوف ہو سکتا ہے۔ لیکن بطن محسر سے دور رہو۔ منیٰ کے سارے رستے قربانی کے لیے ہیں اور تمام ایام تشریق میں (قربانی) ذبح ہو سکتی ہے۔"

سیوطی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سیوطی کی تصحیح کافی نہیں جب تک کہ دوسرے ائمہ تصدیق نہ کریں۔ اگر یہ حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو اس میں کوئی خلاف نہیں رہتا کہ تمام ایام تشریق میں قربانی جائز ہے۔ اور ایام تشریق قربانی کے بعد تین دن ہیں۔ نیز حاجی پر قیاس کیا جائے تو قرآن مجید کی آیت اس کو بھی شامل ہے۔ واللہ اعلم۔

مقام قربانی

قربانی کہیں بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن امام کے لیے افضل یہ ہے کہ جہاں عید[1]

---

[1] اگر لوگ بارش وغیرہ کی وجہ سے نماز عید مسجد میں ادا کریں تو پھر مسجد میں قربانی نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ایک تو نجس خون مسجد میں پھیلے گا اور دوسرے مسجد کے احترام کے منافی ہے کہ اس میں کسی جانور کو تکلیف بھی پہنچائی جائے چہ جائیکہ اسے محل امن میں ذبح کیا جائے۔ واللہ اعلم!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی نماز پڑھے وہیں قربانی کرے۔ ذیل کی حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

"نافع، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ینحر اضحیتہ بالمصلی وکان ابن عمر یفعلہ (للابی داؤد والنسائی) وذکرفی الاعذب رواہ ایضاً البخاری وابن ماجہ۔ کذا فی النیل ۵/۱۲۹)

"نافع کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی جگہ ہی قربانی کر لیتے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ایسا ہی کرتے تھے۔"

حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اگر کسی صحابی کے فتویٰ یا فعل سے ثابت ہو جائے تو حدیث حکماً متصل شمار ہو گی۔ چونکہ یہاں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل موجود ہے اس لیے یہ حدیث حکماً متصل ہے اور چونکہ "نیل الاوطار" کے مطابق اسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے اس لیے یہ حدیث صحیح بھی ہے اور قابل عمل بھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے فعل سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ کام امام کے لیے خاص نہیں۔ بلکہ ہر مسلمان نماز کی جگہ قربانی کر سکتا ہے لیکن مقصد چونکہ قربانی کی اہمیت اور نماز کے بعد فوری ذبح کرنے کا ہے اس لیے امام کے لیے یہی مستحب ہے۔ واللہ اعلم!

قربانی کے متعلق متفرق مسائل و فضائل

ا۔ قربانی نہ کر سکنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

"عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرت بیوم الاضحیٰ عیدا جعلہ اللہ لھذہ الامۃ قال لہ رجل یا رسول اللہ ارأیت ان لم اجد الا منیحۃ انثیٰ أنأضحی بھا قال لا ولکن خذ من شعرک واظفارک وتقص شاربک وتحلق عانتک فذلک تمام أضحیتک عند اللہ" رواہ ابوداؤد والنسائی۔

ترجمہ:۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مجھے اضحیٰ کے روز کے متعلق حکم ملا ہے کہ اسے عید بنالوں، اسے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے بنایا ہے۔ ایک آدمی کہنے لگا یا رسول اللہ! آپ خبر دیں اگر مجھے برائے قربانی کچھ میسر نہ ہو سوائے کسی شیر دار (دودھ دینے والی اونٹنی، گائے یا بکری کے) تو کیا میں اسے ذبح کر دوں؟ جواب میں ارشاد فرمایا "ایسا نہ کر وہاں اپنے بال، اپنے ناخن اور اپنی مونچھیں کاٹ لو، اور زیر ناف بال مونڈ لو تو اسی سے تمہیں خدا کے ہاں مکمل قربانی کا ثواب مل جائیگا" واللہ اعلم!

ب۔ حجامت وغیرہ کے مسائل

"عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت قال رسول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دخل العشر واراد بعضکم ان یضحی فلا یمس من شعرہ وبشرہ شیئاً وفی روایة فلا یاخذن شعراً ولا یقلمن ظفراً" وفی روایة "من رأی ھلال ذی الحجة واراد ان یضحی فلا یاخذ من شعرہ ولا من اظفارہ" (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عشرہ ذی الحجہ داخل ہو جائے (اور ایک روایت میں ہے جو ذی الحجہ کا چاند دیکھ لے) اور وہ قربانی کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور اپنے ناخن نہ لے" دوسری روایت میں ہے "بال نہ لے اور ناخن نہ کاٹے"

ج۔ عشرہ ذوالحجہ میں نیکی کی مزید ترغیب

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من ایام العمل الصالح فیھن احب الی اللہ من ھذہ الایام العشرة" قالوا یا رسول اللہ! ولا الجھاد فی سبیل اللہ؟ قال ولا الجھاد فی سبیل اللہ الا رجل خرج بنفسہ ومالہ فلم یرجع من ذلک بشیئ" (رواہ البخاری)

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ایسا دن جس میں خدا کو عمل صالح زیادہ عزیز ہو وہ ان دس روز سے زیادہ افضل نہیں" انہوں نے عرض کی تو کیا جہاد فی سبیل اللہ بھی"؟ (اگر دوسرے دنوں میں کیا جائے تو کیا وہ بھی ایسی فضیلت والا نہ ہوگا)؟ تو فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی ان ایام کی فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔ مگر وہ شخص جو اپنا مال اور اپنی جان دونوں لے کر نکلا اور کچھ بھی واپس نہ لایا"

د۔ قربانی کی فضیلت

"عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اھراق الدم وانہ لیأتی یوم القیامة بقرونھا واشعارھا واظلافھا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بھا نفساً" (رواہ الترمذی وابن ماجة)

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قربانی کے روز ابن آدم نے کوئی کام خدا کے نزدیک (قربانی کے) خون بہانے سے بہتر نہیں کیا اور وہ روز

© rasailojaraid.com